مولانا محمد علی جوہر اور علامہ اقبال*

معز الدین

برِصغیر میں اُنیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں تین بڑی شخصیتیں صفحۂ ہستی پر رونما ہوئیں جنھوں نے نہ صرف مسلمانوں کو آزادی اور خود داری کا سبق پڑھایا ، بلکہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے راہ ہموار کی۔ حسنِ اتفاق دیکھیے کہ ان اکابر کے جشنِ ولادت کی تقریبات یکے بعد دیگرے ہم قومی سطح پر منعقد کر رہے ہیں۔ ان تاریخ ساز ہستیوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے قدرت نے ہمیں مسلسل سنہری موقع بخشا ہے۔ حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح کے صد سالہ یومِ پیدائش کا جشن ۱۹۷۶ میں منایا گیا۔ دوسرے سال ۱۹۷۷ میں ہم نے حکیم الامت علامہ اقبال کے صد سالہ یومِ ولادت کی تقریب کا انصرام کیا اور ۱۹۷۸ کے اواخر میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کی صد سالہ پیدائش کی تقریب منعقد کی جا رہی ہے۔ اسے قدرت کی فیاضی کہیے یا ہماری خوش قسمتی کہ ہماری قوم جس وقت یاس و اضمحلال کے دور سے گزر رہی تھی ، ہم غلامی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے ، جب ہماری زمین سخت اور زمانہ دشمن تھا تو ان ہستیوں کے ورودِ مسعود نے ہماری رہنمائی کی اور ہماری ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحلِ مراد تک پہنچایا :

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر ۱۸۷۸ میں رام پور میں پیدا ہوئے۔

---

*مولانا محمد علی جوہر کانفرنس منعقدہ کراچی ، دسمبر ۱۹۷۸ ، میں پڑھا گیا۔

۱۸۹۸ میں بی ۔ اے کے امتحان میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اوّل آئے ۔ اس کے بعد چار سال تک انگلینڈ میں رہے اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی ۔ آئی ۔ سی ۔ ایس کا امتحان دیا مگر کامیاب نہ ہوئے ۔ یورپ سے واپسی پر رام پور ریاست میں چیف ایجوکیشن افسر کی حیثیت سے تقرر ہوا ۔ تھوڑے عرصے بعد بڑودہ آ گئے اور یہاں بڑودہ سول سروس میں داخل ہوئے ۔ ان کی حریت پسند طبیعت ملازمت کی پابندیوں کو کہاں برداشت کر سکتی تھی ۔ ۱۹۱۱ میں ملازمت سے مستعفی ہو کر کلکتہ پہنچے اور یہاں سے اپنا ہفتہ وار اخبار ''کامریڈ'' نکالا ۔ ۱۹۱۲ میں ''کامریڈ'' کا دفتر کلکتہ سے دہلی لے گئے ۔ ۱۹۱۳ میں اُردو اخبار ''ہمدرد'' نکالا ۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے ''الہلال'' ، ''البلاغ'' اور مولانا ظفر علی خان کے ''زمیندار'' کی طرح ''کامریڈ'' اور ''ہمدرد'' نے ہندوستانیوں کے اندر بالعموم اور مسلمانوں کے اندر بالخصوص سیاسی بیداری پیدا کی ۔ ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں ۔ یہ وہی دور ہے جب اکبر الہ آبادی اپنے طنزیہ و مزاحیہ اشعار سے ، مولانا اپنی بے باک صحافت سے اور علامہ اقبال اپنی ولولہ انگیز شاعری سے ہماری قومی حمیت اور عزتِ نفس کو بیدار کر رہے تھے ۔

پہلی جنگِ عظیم کے دوران مولانا نے جب اس جنگ کے خلاف لکھنا شروع کیا اور ہندوستان کی مکمل آزادی کا مطالبہ شروع کیا تو قید کر دیے گئے ۔ علامہ اقبال ان کی بلند فطرت ، کردار کی پختگی ، ان کی جرأت اور بے باکی سے بے حد متاثر ہوئے ۔ جب ۱۹۱۹ میں یہ قیدِ فرنگ سے رہا ہوئے تو علامہ نے اسیری کے عنوان سے ایک موثر نظم لکھی :

ہے اسیری اعتبـــار افزا ، جو ہو فطرت بلند
قطرۂ نیساں ہے زندانِ صدف سے ارجمند
مشکِ اذفر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہو کر نافۂ آہو میں بند
ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند

"شہپرِ زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہین کردہ اند"[۱]

مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی دونوں بھائی جیل سے چھوٹتے ہی سیدھے امرتسر تشریف لے گئے جہاں بیک وقت کانگریس ، مسلم لیگ اور خلافت کانفرنس کے اجلاس ہو رہے تھے ۔ ان کی آمد سے نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا ہوگیا ۔ علامہ اقبال بھی وہاں ان کے استقبال کے لیے تشریف لے گئے اور مندرجہ بالا نظم سنائی ۔ اس وقت علامہ کی اس نظم کا بڑا چرچا تھا ۔

مولانا نے جیل سے رہائی کے بعد تحریکِ خلافت شروع کی ، گاندھی اور کانگریس کے بہت قریب آ گئے کیونکہ وہ قائدِ اعظم کی طرح ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوشاں تھے ۔ علامہ اقبال ہندوؤں کی معاندانہ ذہنیت کو بھانپ گئے تھے ۔ وہ جداگانہ انتخاب کے حق میں تھے ، اور مولانا ہندو مسلم اتحاد کے داعی ۔ علامہ نہ گاندھی سے مرعوب تھے نہ جواہر لال نہرو کی سوشلزم سے متاثر ، اور نہ تحریکِ خلافت کو پسندیدہ نظر سے دیکھتے تھے ۔ اقبال کے نزدیک خلافت کا ٹوٹنا کوئی بڑا حادثہ اور قومی المیہ نہ تھا ۔ وہ اس کے ٹوٹنے کو ایک قسم کا اجتہاد سمجھتے تھے جس سے اسلامی قوانین میں لچک اور اسلام کے مرکزی تصور میں وسعت پیدا ہوئی ۔ اس کے باوجود علامہ ، مولانا محمد علی جوہر کی بلند نگاہی ، آزادی کی تڑپ اور اسلام پرستی سے بہت متاثر تھے ۔ اسی طرح مولانا محمد علی ، اقبال کی حریت پسندانہ شاعری اور مسلمانوں کی بیداری میں ان کے اندازِ فکر کو سراہتے تھے ۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں :

"The poet of Islam is responsible for the reawakening in India in the 20th century and who had such a unique personality that to no man does Muslim India owe a greater debt than to this modest, shy and retiring barrister of the Punjab."

دہلی ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر علامہ اقبال کی عزت افزائی کے

۱- "بانگِ درا" (کلیاتِ اُردو) ، ص ۲۵۳ -

لیے ایک نامہ نگار کی ہار پہنانے کی تجویز پر ''کامریڈ'' میں لکھتے ہیں[۲] :

"We heartily join our correspondent in the wish that some public testimony should be borne to the inestimable services of Iqbal whose glorious song has touched all the fine impulses that move the heart of Muslim India today. The poet has felt the pathos of the fallen race ; but his message, how joyous, how full of faith and celestial fire ; it has roused even the most weary and despodent with a voice like the clarion trumpet."

تحریکِ خلافت کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے ایک وفد یورپ گیا تو مولانا نے اس کی قیادت فرمائی ۔ یہ مشن کامیاب نہ رہا ۔ وفد جب انگلینڈ سے بے نیل مرام ہندوستان واپس لوٹا ، تو اس موقع پر علامہ اقبال نے ایک مختصر سی نظم ''دریوزۂ خلافت'' کے عنوان سے لکھی :

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا ؟ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ خلافت کی کرنے لگا تو گدائی !
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی !

''مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی''[۳]

مولانا پر ظاہر ہے اس کا ردِ عمل فطری تھا ۔ اُنھوں نے لکھا : ''لیکن جب دریوزہ گرانِ خلافت خالی کاسۂ گدائی لے کر یورپ سے لوٹے ، مگر اس کا تہیہ کر کے کہ یہ اہتمامِ حجت تھا ۔ اس کے اور یورپ کے سامنے ہر گز ہاتھ نہ پھیلائیں گے ۔ اگر قوت نہ ہوگی تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا تک پسند کریں گے مگر یورپ کے آگے ہاتھ جوڑنا پسند نہ کریں گے ، اور اگر قوت ہوئی کھلا ہاتھ نہ بڑھے گا بلکہ بندھی ہوئی مٹھی سے کام لیا جائے گا ۔''[۴]

مولانا پر بہت جلد یہ بات روشن ہوگئی کہ ہندو مسلمانوں کے حقوق

۲۔ رئیس احمد جعفری ، مرتب ، ''انتخاب از کامریڈ'' (انگریزی) ، ص ۳۰۷ ۔
۳۔ ''بانگِ درا'' (کلیاتِ اُردو) ، ص ۳۵۴ ۔
۴۔ محمد سرور ، مرتب ، ''مضامینِ محمد علی'' ، ۲/۲۵۴ ۔

اور ان کی ترقی کے حق میں نہیں ۔ ہندو لیڈر مسلمانوں کو محض camp follower کی طرح اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے ، یعنی وہ بڑی حد تک علامہ اقبال کے خیالات سے قریب آ گئے ۔

علامہ اقبال ۱۹۳۰ میں خطبۂ الہ آباد میں مسلمانوں کے لیے ایک آزاد وطن کا تصور پیش کر دیتے ہیں ۔ جس سے ہندوستان کے مسلمانوں کو ولولۂ تازہ ملتا ہے ، مگر ہندوؤں کے لیے یہ تجویز دھماکا ثابت ہوئی ۔ قوم کا درد رکھنے والا یہ بطلِ جلیل (جوہر) اپنی صحت کھو بیٹھا تھا ، مگر ہندوستان کی آزادی اور حریت پسندی کے جذبے سے سرشار ۱۹۳۰ میں پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے شدید بیماری کی حالت میں وہ لندن گئے اور وہاں ایک سیشن سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے انگریزوں کو للکارا اور صاف صاف کہہ دیا : ''میں اپنے ملک میں ایک آزاد فرد کی حیثیت سے جانا چاہتا ہوں ۔ اگر تم آزادی نہیں دے سکتے تو تمھیں میری قبر کے لیے زمین دینی ہوگی ۔'' یہ الفاظ ایک جانباز مردِ مجاہد ، ایک مخلص کارکن اور دنیائے اسلام کی آزادی کے علم بردار کے تھے جس نے ۴ جنوری ۱۹۳۱ کو وہیں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی مگر غلام ہندوستان میں واپس آنا اپنی قومی حمیت کے خلاف سمجھا :

مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بے بسی کی شرم

اپنی آخری آرام گاہ کے لیے بھی انگریز کا احسان اٹھانا گوارا نہ کیا ۔ انھیں بیت المقدس میں جگہ ملی جو اب صیہونیوں کے قبضے میں ہے مگر ان کی روح یقیناً مسلمانوں کی آزادی کے لیے گرم جولاں ہوگی :

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر
یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار دے

علامہ اقبال ان کی وفات پر سخت دل گرفتہ ہوئے اور ایک درد انگیز نظم کہی ۔ یہ نظم سب سے پہلے روزنامہ ''انقلاب'' میں چھپی ۔ ابتدا میں صرف تین اشعار کہے ، پھر دوسرے شعروں کا اضافہ کیا :

یک نفس جانِ نزار او تپید اندر فرنگ
تا مژہ برہم زنیم از ماہ و پروین در گذشت

اے خوشا مشتِ غبارِ او کہ در جذبِ حرم
از کنارِ اندلس از ساحلِ بربر گذشت
خاکِ قدس او را بہ آغوشِ تمنا در گرفت
سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت
می نہ گنجد جز بہ آں خاکے کہ پاک از رنگ و بو است
بندۂ کو از تمیزِ اسود و احمر گذشت
جلوۂ او تا ابد باقی بہ چشمِ آسیاست
گرچہ آں نور نگاہ خاور از خاور گذشت[۵]

گو مولانا اور علامہ کے سیاسی مسلک میں مکمل ہم آہنگی نہ تھی مگر مولانا علامہ اقبال کی شاعری کے دلدادہ تھے ۔ خود شاعر تھے ، لہٰذا ان کو علامہ اقبال کے بہت سے اشعار یاد تھے ۔ ۱۹۱۵ میں جب ''اسرارِ خودی'' چھپی تو وہ بے حد متاثر ہوئے ۔ اس کے متعلق ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں[٦] :

"I experienced an exquisite thrill of delight when I found that the Poet and Philosopher was, in his ownin imitable fashion, giving expression to the self same basic truth of Islam, which I had in a blundering sort of way discovered for myself."

ترکِ موالات کے وقت جامعہ ملیہ کی داغ بیل ڈالی اور جامعہ کے لیے مولانا نے علامہ اقبال کو دعوت دی ۔ جب علامہ نے جواب نہیں دیا تو خود گاندھی جی نے لکھا[۷] :

"The Muslim National University calls you."

لیکن علامہ نے اس بات پر توجہ نہ دی کیونکہ وہ متحدہ قومیت (composite nationhood) میں یقین نہیں رکھتے تھے ۔

۵۔ سید عبدالواحد معینی و محمد عبداللہ قریشی ، مرتبین ، ''باقیاتِ اقبال'' ص ۲۵۳ ۔

٦۔ افضل اقبال ، مرتب ، *My Life : A Fragment* ، ص ۱۲۷ ۔

۷۔ افضل اقبال ، *Life and Times of Mohamed Ali* ، ص ۲۳٦ ۔

''کامریڈ'' اور ''ہمدرد'' اس زمانے کے ہندوستان کی سیاسی کشمکش اور مسلمانوں کی تحریکِ آزادی کی ایک مفصل تاریخ ہیں ۔ ۳ نومبر ۱۹۱۴ کو جس دن برطانیہ نے ترکوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو مولانا کے قلم کی شعلہ بیانی کے سبب ''کامریڈ'' کی ضمانت کی ضبطی کا حکم ہوا ۔ سر علی امام نے جو مولانا کے ہمدرد اور علامہ اقبال کے دوست تھے سب سے پہلے مولانا کو ٹیلی فون پر بتایا ۔ اس کے بعد صرف ایک پرچہ نکلا اور اس کے دورِ اوّل کا خاتمہ ہوا ۔ دس برس کے بعد ۱۹۲۴ میں پھر ''کامریڈ'' اسی آن بان سے نکلا ۔

جرمنی اور برطانیہ میں جس وقت جنگ چھڑی تو ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دیا ۔ مولانا بلقان اور طرابلس کے زخمیوں کی حمایت میں برابر شعلہ فشاں رہے اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی تحریک شروع کی ۔ ان کی اس وقت کی نگارشات قابلِ دید ہیں ۔ ''کامریڈ'' میں جب ان کا حشر بداماں مضمون ''ترکوں کا انتخاب'' (''The Choice of the Turks'') چھپا تو ایوانِ حکومت میں بلچل مچ گئی اور ظاہر ہے مولانا کو اس کا تاوان ادا کرنا پڑا ۔ مولانا کو پانچ سال کی قید بامشقت کی سزا ملی ۔

علامہ اقبال نے بھی اپنی نظم ''حضور رسالت مآب'' میں طرابلس کے شہیدوں کا ذکر چشمِ گریاں سے کیا ہے :

مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں[۸]

''فاطمہ بنت عبداللہ'' علامہ کی ایک مشہور نظم ہے ۔ یہ ایک عرب لڑکی کے متعلق ہے جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی تھی ۔ علامہ اسے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں :

فاطمہ ! تو آبروئے اُمتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

۸- ''بانگِ درا'' (کلیات) ، ص ۱۹۷ -

یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی
غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر !
ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر !
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی !
ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی!
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں !
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں !۹

مولانا ''ہمدرد'' میں اس زمانے کے سیاسی حالات کے پیشِ نظر علامہ اقبال کی قوم پرستی اور قوم پروری پر اپنے طنزیہ انداز میں نقد و تبصرہ کرتے رہے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علامہ اقبال پنجاب کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور ہندوستان کی سیاست ایک نئی کروٹ لے رہی تھی ۔

علامہ اقبال کے کونسل میں داخل ہونے پر مولانا زیادہ خوش نہ تھے ، مگر ان کی نظم "ترانۂ ملی" اور ''وطنیت'' کو ملتِ اسلامیہ کی تفسیرِ حیات اور اپنے خواب کی صحیح ترین تعبیر سمجھتے تھے ۔ ان کی ساری قوت اس میں صرف ہو رہی تھی کہ انگریزوں کی غلامی سے کس طرح نجات حاصل کی جائے ۔ وہ لکھتے ہیں : ''کہ اب اگر اس غلامی سے نکلنا ہے تو اس کا یہی طریقہ ہے ، ہم تم ایک دوسرے کے ساتھ انصاف اور رواداری کا برتاؤ کریں ، ایک دوسرے پر اعتماد کریں اور ایک دوسرے کی طرف سے جو اذیت زبان سے یا ہاتھ سے پہنچتی ہے اس پر صبر کریں ۔''

''شمع اور شاعر'' میں علامہ کے مندرجہ ذیل اشعار

تھا جنھیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے
لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا
انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اُٹھ گئے
ساقیا ! محفل میں تو آتش بجام آئے تو کیا۱۰

۹- ایضاً ، ص ۲۱۴ - ۱۰- ایضاً ، ۱۸۵ -

کے مایوسانہ طرز پر اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں :

"میں تو آج بھی اقبال ، اپنے محبوب اقبال ، سے کہتا ہوں کہ ساقیا تو آتش بجام کر کے تو دیکھ ، کچھ شعلہ آشام اب بھی باقی ہیں ۔ 'تو بادِ بہاری کا پیغام تو بھیج ، خزاں دیدۂ چمن پھر ایک بار اپنی بہار دکھا دے گا ۔ مانا کہ آخر شب بسمل کی تڑپ دید کے قابل تھی مگر 'تو پھر بالائے بام آ کر تو دیکھ ! ابھی تیرے سامنے تڑپنے کے لیے بہت بسمل باقی ہیں ۔ ابھی تک شعلہ نہیں بجھا ہے مگر وہ سودائی کہاں ہے جو سوزِ تمام کا سودائی ہو ۔ بھول ہرگز بے پروا نہیں ۔ تو گرم نوا تو ہو ، یقیناً کاروان گم کردہ راہ ہے اور کاروان والے اس قدر نیند کے ماتے ہیں کہ اس خار زار میں تیرے سو رہے ہیں ، لیکن آوازِ درا بھی تو آج کسی کو سنائی نہیں پڑتی کیا 'تو نے ہی ہمیں عرفی کا یہ شعر یاد نہیں دلایا تھا :

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چوں محمل را گراں بینی"[۱۱]

"ہمدرد" میں جو مضامین چھپے تھے ان کے عنوانات اور تاریخیں مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) "میرا اُستاد اقبال" ، ۱۳ اگست ۱۹۲۷

(۲) "طبیب صادق ، سر محمد اقبال کا نیا نسخہ" ، ۱۶ اگست ۱۹۲۷

(۳) "شاعرِ وطن اقبال" ، ۱۷ اگست ۱۹۲۷

(۴) "شاعرِ اسلام اقبال" ، ۱۹ اگست ۱۹۲۷

(۵) "شمع و شاعر کے مصنف سے ایک سوال" ، ۲۱ اگست ۱۹۲۷

مولانا محمد علی کا دور ہماری تاریخ کا نہایت ہنگامہ خیز دور تھا ۔ مسلمانوں کی سیاسی اور اجتماعی تحریکات میں قائدِ اعظم ، علامہ اقبال اور مولانا محمد علی جوہر جیسے زعما کی بدولت ہم آزادی سے ہمکنار ہوئے اور ایک آزاد مملکت پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ۔

رئیس الاحرار اور حکیم الامت کی بہت سی باتیں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی تھیں ۔ دونوں اسلام کے نشاۃ الثانیہ کے خواہاں اور قوم سے بے پناہ درد رکھتے تھے اور ان کے دل عشقِ الٰہی ، حبِ رسول اور

۱۱- محمد سرور ، مرتب ، کتاب مذکور ۔

آلِ رسول سے سرشار تھے ۔ قرآن میں دونوں غوطہ زن تھے ۔

اسلامی تاریخ میں واقعۂ کربلا کو وہ دونوں ایثار و قربانی کا منتہائے کمال سمجھتے تھے ۔ علامہ کا شعر ہے :

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسمٰعیل

مولانا محمد علی جوہر کا شعر ضرب المثل بن چکا ہے :

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہ ہم میں نہیں مگر ان دونوں اکابر کی زندگی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے ۔

کتابیات

سید رئیس احمد جعفری ، مرتب ، ''اوراقِ گم گشتہ'' ، لاہور : محمد علی اکادمی ، ۱۹۶۸ ۔

محمد سرور ، مرتب ، ''مضامینِ محمد علی'' ، دہلی : مکتبہ جامعہ ، ۱۹۴۰

سید عبدالواحد معینی و محمد عبداللہ قریشی ، مرتبین ، ''باقیاتِ اقبال'' ، لاہور : آئینۂ ادب ، ۱۹۷۸ ۔

معاصرین ''اقبال کی نظر میں'' ، محمد عبد اللہ قریشی ، مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور ، ۱۹۷۷ ۔

R.V. Thadani, *The Historic State Trial of Ali Brothers and Five Others*, Karachi, 1921

Rais Ahmad Jafri, Ed., *Selections from Maulana Mohamed Ali's Comrade*, Lahore : Mohamad Ali Academy, 1965

K.K. Aziz, *The Indian Khilafat Movement—1915-1933, A Documentary Record*, Karachi : Pak Publishers, 1972

Afzal Iqbal, Ed., *My Life : A Fragment*, Lahore : Sh. Muhammad Ashraf, 1946

Afzal Iqbal, Ed., *Writings & Speeches of Maulana Mohamed Ali*, Lahore : Sh. Muhammad Ashraf, 1963, 2 Vols.

Afzal Iqbal, *Life & Times of Mohamed Ali*, Lahore : Institute of Islamic Culture, 1974

Allah Bakhsh Yusufi, *Maulana Mohamed Ali Jauhar*, Karachi : Mohamad Ali Academy, 1970